پروفیسر خالد جاوید کا تخلیقی امتیاز...اور افسانہ 'برے موسم میں'

ڈاکٹر ریاض توحیدی کشمیری

تلخیص: خالد جاوید معاصر اردو فکشن کا ایک بڑا نام ہے، جنھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے بیانیاتی سطح پر جدید فکشن کے معیارات طے کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ علامتی اور استعاراتی اسلوب اور زبان کے تخلیقی برتاؤ نے اُنھیں فکشن کی تخلیقیت میں ایک امتیاز بخشا ہے۔ اتنا ہی بلکہ موضوعات کا انتخاب اور اظہار سے اُن کی فکر کی اتھاہ گہرائیوں کا پتا دیتا ہے۔

کلیدی الفاظ: جدید فکشن، علامتی و تجریدی اظہار، تخلیقی امتیاز، جادوئی حقیقت نگاری۔

پروفیسر خالد جاوید کا فکشن پڑھنے اور سمجھنے کے لئے مجھے Jacques Lacan کی بات یاد آرہی ہے:

"He who interrogates me also knows how to read me."

یعنی مجھ سے الجھنے والا ہی مجھے پڑھنے کا گُر سیکھ سکتا ہے۔ خالد جاوید کی

کہانیاں قاری کو الجھا کر سلجھانے کا کام انجام دیتی ہیں کیونکہ ان میں زندگی کی داستان کو اس طرح سے پیش کیا گیا ہے کہ حقیقت کا سفاک چہرہ سامنے آتا ہے، جس حقیقت کو بیشتر فن کار ملمع کاری سے چھپا دیتے ہیں۔

فکشن تخلیق کرنے کے لئے فکشن کا شعور ہونا چاہیے اور یہ شعور خیال اور تخیل کو ملانے کا وہ ہنر ہے جو خیال و احساس اور تجربے و مشاہدے کو تخلیقی صورت دینے میں ایک کرنٹ کا کام انجام دیتا ہے۔ جس کے دوڑنے سے ایک بجھا بلب روشن ہو جاتا ہے۔ نہیں تو پھر فکشن کے نام پر دیکھے بھالے واقعات و مشاہدات کا اطلاعی منظر نامہ سامنے آ سکتا ہے جس کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔ پروفیسر خالد جاوید فکشن تخلیق کرنے کا ماہرانہ شعور رکھتے ہیں، کیونکہ وہ تخلیق میں تخیل کا ایسا رنگ بھر دیتے ہیں کہ قاری، قرأت کے دوران فسوں خیز سحر میں جکڑ جاتا ہے۔ یہی وہ فن کاری ہے جو خالد جاوید کو عصری افسانوی منظر نامے میں امتیاز عطا کرتی ہے۔ ان کے ناول یا افسانوں کا مطالعہ کرنے کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان واقعی کسی فکشن کے جہان سے گزر رہا ہے۔ اسلوبیاتی سطح پر اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک بیانیہ میں جادوئی حقیقت نگاری کا اہتمام اور دوسری کہانی پن میں فنتیسی فکر کا انصرام جو کہ اس کے طلسماتی اثر میں اضافہ کرتا ہے۔ خود بھی ایک جگہ ''اردو فکشن میں جادوئی حقیقت نگاری'' کے موضوع پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''کوئی بھی امیجی نیشن ایسی نہیں ہے، جس میں حقیقت نہ ہو۔'' یعنی فکری طور پر ان کے فکشن میں جادوئی حقیقت نگاری دانستہ طور پر در آتی ہے اسی لئے ان کی بیشتر کہانیاں حقیقت کا جادوئی روپ معلوم ہوتی ہیں۔ جادوئی حقیقت نگاری کی اصطلاح کا اطلاق غالباً پہلی بار کولمبیا کے معروف فکشن نگار گابرئیل گارسیا مارکیز کے اسلوب پر ہوا ہے۔ خیر یہاں پر اس اصطلاح کی توضیح کرنا مقصود نہیں ہے البتہ جادوئی حقیقت نگاری کے تعلق سے جے۔ اے۔ کڈن کی یہ تعریف پیش نظر رکھنا مفید رہے گی کہ ''بیانیہ میں تخیلاتی اور حقیقی دنیا کا امتزاج۔ حقیقی واقعات کا ایک ہی لمحے میں مختلف جگہوں پر واقع ہونا۔ خالد جاوید کے افسانوں کا بیانیہ حقیقت کے پردے میں تخیل کا ایسا جادو چلاتا ہے کہ حقیقت فسانہ بن جاتی ہے۔ اس حقیقت کی فسوں خیز فضا بندی میں ان کا اسلوب 'سونے پہ سہاگہ' کا کام انجام دیتا ہے۔

خالد جاوید کے اسلوب اور فکشن تفاعل کا جائزہ لیتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی مضمون ''موت اور موت کی کتاب'' میں لکھتے ہیں:

> ''...ان کے افسانوں کی فضا اور اس کے کردار اور واقعات' طرح طرح کی ناپسندیدہ باتوں سے بوجھل ہیں اور یہ سارا بوجھ ان کی نثر اٹھاتی ہے۔ خوف' مرض' جسم کا زوال' غلاظت' خود سے نفرت' اپنی ذات کی گہرائیوں کو تکلیف دہ حد تک کریدنا اور چھاننا' دنیا کس قدر مایوس کن ہے' اس کا شدید تجربہ اور کئی پہلوؤں سے اس کا تجزیہ' ان باتوں کو بیان کرنے کے لئے خالد جاوید کی نثر پوری طرح مستعد اور تربیت یافتہ ہے۔ اس نثر کا آہنگ بہت سست رفتار ہے۔ جہاں درد کی سخت شدت یا جوش اور جذبے کی طوفانی کیفیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے' وہاں ایک آہنگ پھر بھی سست رو رہتا ہے لیکن نثر کا زور بڑھ جاتا ہے اور وہ تمام باتیں جو خالد جاوید کے افسانے کو یادگار بناتی ہیں اور بھی زیادہ بروئے کار آنے لگتی ہیں۔''

دراصل خالد جاوید کے افسانوں کی تخلیقی فضابندی' علامتی واستعاراتی اسلوب اور فکر کی گہرائی کی ہنرمندی ہی کہانی کو فسوں خیز بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور یہاں تخلیق کار کی ذہانت اور صلاحیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس ضمن میں کئی افسانوں پر بات ہوسکتی ہے خصوصاً ''زندوں کے لئے ایک تعزیت نامہ'' ''آخری دعوت'' ''تفریح کی ایک دوپہر'' ''قدموں کا نوحہ گر'' ''جلتے ہوئے جنگل کی روشنی'' ''برے موسم میں'' ''روح میں دانت کا درد'' ''نیند کے خلاف ایک بیانیہ'' وغیرہ۔

افسانے کے عنوان کا معنوی اثر کہانی کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک طرح سے افسانے کا سائن بورڈ ہوتا ہے جو دیکھنے والے کو اشارہ کرتا ہے کہ وہ کس قسم کی کہانی پڑھنے جارہا ہے اور کبھی کبھی عنوان اور کہانی کا تھیم ایک سکے کے دو رخ جیسا معاملہ بن جاتا ہے لیکن یہ بڑی مہارت کا کام ہوتا ہے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مطالعہ کے بعد کہانی

اپنا تاثر نہ کھودے اور عنوان ہی کہانی کو کمزور بنادے۔افسانہ ''برے موسم میں'' کی ایک خوبی یہ نظر آتی ہے کہ ابتدا سے ہی عنوان کا معنوی اثر افسانے میں نظر آتا ہے۔افسانہ نگار نے ستمبر کی اداس اور ابر آلود شام' اس مہینے میں بدلتے ہوئے موسمی حالات اور گھر کے اندر مرکزی کردار کی بے چینی وغیرہ کی عمدہ منظر کشی کی ہے جو کہ ڈرامائی تاثر کے ساتھ قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔منظر نگاری کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''لالٹین کی روشنی مدھم ہونے لگی۔ اس کا تیل ختم ہو رہا تھا۔شام ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ستمبر کی اداس اور ابر آلود شام ستمبر کی ہر شام اپنے پیچھے فزری ہوئی تمام بارشوں کا بوجھ اٹھائے افسردہ اور تھکی تھکی سی بھٹکا کرتی ہے اور ستمبر کا ہر دن آسمان پر سُست روی سے بلند ہوتے ہوئے سفید بادلوں کے حجم کو اس پار سے اُس پار پہونچا آتا ہے۔''

کردار نگاری میں مرکزی کردار ایک ادھیڑ عمر بیمار شخص' اس کی بیوی اور چھوٹی بچی' جو شادی کے کئی برسوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ بچی کو بخار چڑھا ہوا تھا اور گھر کی خستہ حالی کی عکاسی کرتی ہے۔مجموعی طور پر پورا افسانہ انہیں کرداروں کی کردار نگاری پر گھومتا رہتا ہے۔جزئیات نگاری بھی کمال کی ہے جس نے پلاٹ کو سنوارنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

مرکزی کردار خود بے کار بیٹھا رہتا لیکن اس کی بیوی ایک پرائمری اسکول میں پڑھاتی تھی۔ بچی جننے کے بعد اگر چہ وہ چھٹی پر تھی لیکن اب اسے یہ پریشانی لاحق تھی کہ اسکول جانے کے بعد اس کا شوہر کس طرح بچی کا خیال رکھے گا کیونکہ اسے بچی کو سنبھالنے کا سلیقہ ہی نہیں آتا۔اب وہ کسی عورت کو میڈ رکھتے لیکن قلیل آمدنی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

بچی بنیادی طور پر Chicken pox کی زد میں تھی۔طبی علاج کرنے کے ساتھ ساتھ بیوی تعویز و دعا کا انتظام بھی کرتی رہتی اور اہم بات یہ کہ وہ لوگ توہم پرستی کی وجہ سے اس بیماری کو بیماری کم اور بری اور آسیبی طاقتیں زیادہ سمجھتے تھے۔شوہر کی نفسیاتی کیفیت کا

نقشہ ایسے کھینچا گیا ہے کہ وہ بے روزگار ہونے کی وجہ سے باروزگار بیوی کے سامنے خفت اٹھانے پر مجبور تھا اس لئے وہ زیادہ بولنے کی ہمت نہیں جٹا پاتا تھا۔ افسانے کے انجام تک جب بچی کا بخار اور دانے بڑھنے سے پریشانی بڑھنے لگی تو باپ کو گھر میں اپنا ہی وجود منحوس محسوس ہونے لگا اور وہ گھر چھوڑنے کے چکر میں پڑ گیا تا کہ اس کی بچی بیماری سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس طرح افسانہ ایک مڈل کلاس فیملی کے رہن سہن، سوچ وچار، سماجی زندگی کے رنگ ڈھنگ کو عمدہ ہنرمندی سے بیانیہ کا حصہ بنا رہا ہے۔

افسانے کے پلاٹ پر نظر ڈالیں تو اس میں بنیادی طور پر بچی کی بیماری اور اس بیماری سے پریشان میاں بیوی کی تشویش، سوچ وفکر، آپسی چپقلش، طعنہ زنی وغیرہ، جو کہ اکثر ایسے لمحات میں گھروں میں ہوتا ہے، کو ماہرانہ بنت کاری سے سنوارا گیا ہے۔ اس طرح افسانہ صرف تخیل کے گھوڑے دوڑا کر کسی نامانوس واقعہ کی کہانی سامنے نہیں لاتا ہے بلکہ قوت مشاہدہ سے ایک سماجی کہانی اس طرح پیش کرتا ہے کہ یہ ایک اطلاعاتی متن (Informative text) بھی بن جاتا ہے جسے رپورٹنگ کی طرح نہیں بلکہ فنی وتخلیقی سطح پر ہر جز کو فکشنائز کر کے تشکیل دیا گیا ہے۔

خالد جاوید صاحب کے کئی دیگر افسانے بھی تخلیقی اسلوب کی عمدہ عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں سے چند افسانے علامت نگاری کی عمدہ مثال ہیں۔ البتہ کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پلاٹ سازی کے دوران راوی بصورت واحد متکلم کچھ زیادہ ہی تفصیل دیتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اگرچہ افسانے کی طوالت میں اضافہ تو ہو جاتا ہے لیکن ایسا کرنے سے افسانہ ایک ناولٹ کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اس کے باوجود افسانے کو تخلیقی سطح پر جو خوبی فن پارہ بناتی ہے وہ خالد جاوید کے فکشن میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

○○○